محمد وسیم

ایم فل اُردو، خواجہ فرید یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، رحیم یار خان

حسن محمود

لیکچرار شعبہ اُردو و اقبالیات، دی اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

انیس اشفاق کے ناول "پری ناز اور پرندے" میں لکھنوی تہذیب کی بازیافت

Muhammad Waseem
M.Phil Urdu, KFUEIT, Rahim Yar Khan
Hasan Mahmood
Lecturer, Department of Urdu & Iqbaliat, The Islamia University, Bahawalpur

Revival of Lucknow's Culture in Anees Ashfaq's Novel "Pari Naz Aur Parinday"

ABSTRACT

Anees Ashfaq is a versatile literary figure of our time. At once a novelist, short story writer, travelogue author, poet, translator, sketch writer, researcher, and critic, he embodies the richness of modern Urdu literature. Among his notable novels are "Dukhiyare", "Pari Naz aur Parinday", "Khawab Sarab", and the recently published "Haich". His fiction, particularly his novels, vividly reflect the cultural and social echoes of Lucknawi civilization. Before the narrative unfolds, a one-page summary of Naiyar Masud's celebrated short story "Taus Chaman ki Maina" is presented serving as the very foundation upon which Anees Ashfaq expands his own narrative. In this way, "Pari Naz aur Parinday" may be read as a continuation and re-imagination of that seminal tale. In this article, it is explored that the novel offers a striking reflection of the subtle grace and cultural essence of Lucknawi civilization, an enduring hallmark of Anees Ashfaq's literary vision.

Keywords: *Anees Ashfaq, Pari Naz aur Parinday, Lucknowi Civilization, Fall of Lucknow, Cultural Revival, Naiyar Masud, Ta'oos Chaman ki Maina*

انیس اشفاق زمانہ حاضر کے ہمہ جہت ادیب اور تخلیق کار ہیں۔ وہ بیک وقت ناول نگار، افسانہ نگار، سفر نامہ نگار، شاعر، مترجم، خاکہ نگار، محقق اور نقاد ہیں۔ انیس اشفاق بھارت کے شہر لکھنو میں 1955ء میں پیدا ہوئے۔ "دکھیارے"، "پری ناز اور پرندے"، "خواب سراب" اور "ہیچ" اُن کے معروف ناول ہیں۔ انیس اشفاق کے ناولوں میں لکھنوی تہذیب کے آثار واضح ہیں۔ "پری ناز اور پرندے" انیس اشفاق کا تیسرا ناول ہے جو پہلی بار جون 2018ء میں ایڈورٹائیزرس، انڈیا، لکھنؤ اور گومتی نگر لکھنؤ کے زیرِ اہتمام کتاب والا، دہلی سے شائع ہوا۔

پاکستان میں یہ ناول بُک کارنر، جہلم سے مارچ 2024ء میں شائع ہوا۔ صفحۂ اول پر نیّر مسعود کے نام فارسی کے چند اشعار درج کیے گئے ہیں۔ تھامس وینٹ ورتھ ہگن سن کے الفاظ جو اُن کی کتاب The Life of birds سے لیے گئے ہیں، بھی شامل ہیں اور ناول کے آغاز سے قبل نیّر مسعود کے افسانے "طاؤس چمن کی مینا" کا ایک صفحی خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ اور دراصل اسی افسانے کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ اس ضمن میں یاسمین حمید لکھتی ہیں:

> "پری ناز اور پرندے" لکھنے کی تحریک نیّر مسعود کی کہانی "طاؤس چمن کی مینا" کے بطن سے پیدا ہوئی۔ شاید اس لیے وہ کہانی مختصر تھی اور ابھی اپنے اندر مزید بہت کچھ کہنے کی گنجائش رکھتی تھی۔ اس Space کو انیس اشفاق نے دریافت کیا اور "طاؤس چمن کی مینا" کے المیے کو اپنے ناول میں ایک مثبت انجام تک پہنچا دیا۔"(1)

"پری ناز اور پرندے" میں لکھنوی تہذیب کی جھلک نمایاں ہے۔ انیس اشفاق کے ناول "پری ناز اور پرندے" میں لکھنوی تہذیب محض ایک پس منظر کے طور پر نہیں بلکہ پورے بیانیے کی روح کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ناول کے کردار، ان کی زبان و بیان اور باہمی تعلقات سب اس تہذیبی رنگ میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں جسے لکھنوی تمدن کی پہچان کہا جاتا ہے۔ انیس اشفاق نے بڑے فنکارانہ انداز سے اس تہذیبی ورثے کو کہانی میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ ناول میں جابجا ایسے مناظر اور مکالمے ملتے ہیں جن میں لکھنؤ کی محفلوں کی رونق، شعر و سخن کی روایت، پردہ داری اور وضع داری کے اشارے ملتے ہیں۔ مصنف نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح یہ تہذیب رفتہ رفتہ بیرونی دباؤ اور داخلی کمزوریوں کی وجہ سے اپنی اصل خوب صورتی کھونے لگتی ہے۔ یوں ناول نہ صرف لکھنوی تہذیب کی خوب صورتی اور نزاکت کو پیش کرتا ہے بلکہ اس کے زوال کی دردناک تصویر بھی سامنے لاتا ہے۔

لکھنوی تہذیب اردو ادب، زبان، رہن سہن، طور اطوار، رسوم و روایات، بول چال، خوراک، محافل و مجالس اور انسان دوستی کا نہایت حسین مرقّع ہے۔ یہ تہذیب اپنے اندر ایک تاریخ رکھتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس نے عروج حاصل کیا اور پھر مائل بہ زوال ہو گئی۔ بالخصوص سترھویں صدی کے آغاز سے 1857ء تک نوابانِ اودھ نے لکھنوی تہذیب کو جو جو عروج بخشا وہ برِّ صغیر کی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔ لکھنوی تہذیب کی اُردو زبان نہایت شستہ اور نفیس گفتگو میں ادب و احترام کا پاس، ہر طرح کی محفل و مجلس میں بیٹھنے کے الگ الگ آداب اور اُن کی نافذ العملی، معاشرتی رہن سہن کے طور طریقے، مرد و خواتین کی آدابِ خانہ داری، کھانے پینے کی چیزوں میں رکھ رکھاؤ، مہمان نوازی، فنونِ لطیفہ، مذہبی و ثقافتی ہم آہنگی، غرض یہ کہ لکھنوی تہذیب ایک مکمل طرزِ زندگی ہے جس میں ہر جگہ نفاست، لطافت، نزاکت، تکلف، شائستگی اور وضع داری کا نفاذ واجب تھا۔ ادبی تجزیہ نگار عشرت ظہیر لکھتے ہیں:

"تہذیب و شائستگی کے دور کی بازیافت کی یہ کوشش عہدِ زریں کے حیات افزا اثاثہ کی صورت ناول میں اجاگر ہوا ہے۔"(2)

ناول "پری ناز اور پرندے" اپنے اندر لکھنوی تہذیب کے متعدد پہلو سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ ناول لکھنؤ کی تہذیب اور اقتدار کے زوال کی المناک داستان ہے۔ کہانی کا زمانہ غدر یعنی 1857ء کے بعد کا ہے جب لکھنوی تہذیب اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی اور انگریزوں کے عہد کا آغاز ہو رہا تھا۔ نواب واجد علی شاہ (1822ء–1887ء) اودھ کے آخری حکمران تھے جن کا دور لکھنوی تہذیب کا نقطۂ عروج سمجھا جاتا ہے۔ یاسمین حمید لکھتی ہیں:

"پری ناز اور پرندے" کا زمانہ ۵۷-۱۸۵۶ء کے تقریباً ساٹھ ستر برس بعد کا دور ہے، یعنی بیسویں صدی کے پہلے ربع کے قریب کا زمانہ ہے، جب جنگ آزادی یا غدر کو کچھ وقت ہو چکا ہے لیکن ابھی تک اس کی تباہی کے آثار موجود ہیں اور حسین آبدار جیسے کچھ لوگ ابھی زندہ ہیں جنھوں نے غدر سے پہلے کے اودھ کی سلطنت کا شکوہ بھی دیکھا تھا اور بعد کی ویرانی کے بھی گواہ ہیں۔ یہ ناول ایک تہذیب کے نیست و نابود ہو جانے کا نوحہ بھی ہے اور اس تہذیب کے کسی طرح واپس لوٹ آنے کے تکلیف دہ خواب کا عکس بھی۔"(3)

اس دور کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے محض "غدر کے بعد" نہ سمجھا جائے بلکہ اسے غدر کے بعد کا صدمہ یا بہت بڑا المناک سانحہ کہا جائے۔ یہ ناول صرف ایک تہذیب کی موت کا بیان نہیں بلکہ اس کی بازیافت کے خواب کی روداد بھی ہے۔ مصنف نے جس "نوحے" اور "خواب" کا ذکر کیا ہے، وہ دراصل لکھنؤ کی تہذیب کا نوحہ ہے۔ ایک طرف تہذیب کے زوال کی تکلیف ہے، خلش ہے اور دوسری طرف اس کی بازیافت کی حسرت۔ انیس اشفاق اس ناول میں نہ صرف تاریخی یادیں اور حادثات سامنے لاتے ہیں بلکہ ان میں رومانوی اثرات بھی شامل کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قاری کو صرف لکھنؤ کی تباہی اور زوال کا منظر نامہ ہی نہیں ملتا بلکہ اس کے ساتھ ایک خواب بھی ملتا ہے؛ اس خواب میں محبت ہے، رومانیت ہے اور جینے کی آس امید ہے۔ اس ناول کو لکھنوی تہذیب کا نوحہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔ یہ صرف لکھنؤ کی بربادی کی کہانی نہیں بلکہ پورے برِّ صغیر کی تہذیب کے زوال کی علامت ہے۔ یہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ کس طرح انسان اور معاشرہ دونوں کسی بہت بڑے صدمے کی اذیّت اور تکلیف کے ساتھ زندہ رہتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں ریاستِ اودھ اور لکھنؤ پورے کا پورا انگریزوں کے قبضے میں آ جاتا ہے نوابوں اور اشرافیہ کی حکمرانی ختم ہو جاتی ہے۔ نئی انگریزی پالیسیوں نے کسانوں اور کاشت کاروں کو بھی شدید متاثر کیا۔ پرانے محلّات اور جاگیریں

ضبط ہوئیں۔ لکھنوی تہذیب جس میں نفاست، نزاکت، تکلف، شائستگی اور وضع داری کا خاصہ عمل دخل تھا وہ اپنی جگہ قائم رہا تاہم وہ شاہانہ کروفر اور وہ بات باقی نہ رہی۔

شاہین شہر زاد کے ذریعے ناول میں لکھنوی تہذیب جو اب رُو بہ زوال ہو چکی تھی سامنے آتی ہے۔ کالے خاں ولد یوسف خاں (جو کسی زمانے میں سلطانِ عالم واجد علی شاہ کے "طاؤس چمن" میں پرندوں کی رکھوالی اور دیکھ بھال پر تعینات تھے) کو ملنے والے مکان جس میں بعد میں اس کی بیٹی فلک آرا اور اس کی بیٹی فرش آرا رہتے تھے۔ انھیں انگریزوں نے تڑوانے کی کوشش کی اور کافی حد تک ٹوٹ بھی چکی تھی۔ لیکن حُسین آبدار عرف میاں جان کی بدولت فلک آرا اور اس کی بیٹی کے لیے چھپر تک کی جگہ بچ جاتی ہے۔ فرش آرا شاہین شہر زاد کو بتاتی ہے:

> "سلطانِ عالم کے کلکتے چلے جانے کے بعد جب سب طرف پکی عمارتیں گرائی جا رہی تھیں تب اپنی روپوشی کے زمانے میں ایک دن میاں جان گئے رات آئے۔ میں نے آواز پہچان کر دروازہ کھولا تو بولے کل مزدور اس مکان کو توڑنے آئیں گے، میں نے سب انتظام کر دیا ہے۔ میں حیران کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں اور اس سے پہلے کہ میں کچھ پوچھتی بولے اگر نہیں تڑوایا گیا تو فرنگی اسے تڑوا دیں گے اور زمین اس کی ضبط کر لیں گے۔ اور تم۔۔۔ تمھیں نئی چھت آسانی سے نہیں ملے گی اس لیے جو حسین آبدار کہتا ہے کرو۔ ناچار میں نے ان کی بات مان لی۔ دوسرے دن میں نے سارا سامان ایک طرف رکھ دیا۔ مزدوروں نے چار پانچ دن میں سارا مکان توڑ دیا پھر انھی مزدوروں نے بھی دیواریں اٹھا دیں اور انھی کے ہاتھوں اس پر چھپر چھا دیا گیا۔"(4)

برِّ صغیر میں انگریزوں کی حکومت کے زمانے میں شہری جائیدادیں صرف شہریوں کی ملکیت نہ رہیں بلکہ تمام جائیدادیں انگریز حکمرانوں کے قابو میں آ گئیں۔ مکان کے گرائے جانے کا ذکر دراصل اس بات کی علامت ہے کہ نو آبادیاتی طاقتوں نے نہ صرف معاشی وسائل بلکہ لوگوں کے گھروں اور زندگیوں پر بھی اپنا کنٹرول رکھنے کی پوری پوری کوشش کی۔ فلک آرا اور اس کی بیٹی فرش آرا کی حیرانی اور لاچاری انگریز حکومت کے اس عہد کے عام انسان کی ذہنی کیفیت کی عکاسی کرتی ہے۔ اس زمانے میں عوام کو اپنے فیصلے کرنے کی آزادی حاصل نہ تھی، بلکہ انھیں یا تو حالات کے یا پھر دوسروں کی ہدایات پر چلنا پڑتا تھا۔ یہ صورت حال احساسِ محرومی اور عدمِ تحفظ کو جنم دیتی ہے۔ کالے خاں ولد یوسف کو سلطانِ عالم واجد علی شاہ کی طرف سے ملنے والے مکان کا گرایا جانا اور دوبارہ چھپر ڈالنا صرف تباہی و بربادی کا واقعہ نہیں بلکہ ایک تہذیبی زوال کے بعد بے بسی اور سادگی کی زندگی گزارنے کی طرف اشارہ ہے۔ پکی عمارت کی جگہ

عارضی چھپر نے لے لی۔ گویا یہ لکھنؤ کے پورے عہد کی تہذیبی شکست اور "Survival" کی کوشش کو سامنے لاتا ہے۔ یہی زوال ناول میں ہر طرف دکھائی دیتا ہے۔ داروغہ نبی بخش کی حویلی، یوسف مرزا کی حویلی اور عالیہ بیگم کی حویلی اس بات کا واضح ثبوت ہیں۔ جو کسی زمانے میں اپنے محلّات میں شاہانہ اور نوابانہ زندگی گزار رہے تھے۔ آج وہ اور اُن کی جاگیریں زمین بُرد ہو چکی تھیں۔ ضیافتوں میں جو مرغّن غذائیں کباب، تنجن اور طرح طرح کے کھانے ہوتے تھے اب وہ نہ رہے۔ تاہم ناول نگار نے ناول میں کھانے پینے کی جن چیزوں کا ذکر کیا ہے وہ لکھنوی تہذیب کو ضرور اُجاگر کرتی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ شاہین شہرزاد اور فرش آراء کھانا کھانے بیٹھتے ہیں تو ان کھانوں کا ذکر ہوتا ہے:

"فرش آرا اپنے ساتھ لائے ہوئے دستر خوان پر بہت سی چیزیں سجائے بیٹھی تھی۔ خاگینہ، روغنی روٹی، رب، ابلے ہوئے انڈے اور ملیدہ۔۔۔ دن میں ہم پر اٹھوں کے ساتھ مٹر قیمہ کھائیں گے اور میٹھے میں گاجر کا حلوہ۔"(5)

علاوہ ازیں ایک اور جگہ کھانوں سے یوں تعارف ہوتا ہے:

"اناس کے پراٹھے، رُب، روغنی روٹی، خاگینہ، روے کی لقمیاں اور نمش۔ فرش آرا نے کہہ کہہ کر مجھے ساری چیزیں کھلائیں اور جی لگا کر خود بھی کھائیں۔"(6)

لکھنو کے نوابین چونکہ تشیع مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور وہاں کے عوام بھی اکثریت شیعہ تھے۔ اس لیے عزاداری کی محافل و مجالس ہر وقت لگی رہتیں۔ اور بالخصوص محرم الحرام کے پہلے عشرے میں لکھنؤ میں ایک چھوٹی سی کربلا معلوم ہوتی تھی۔ ہر گھر میں محفلِ ذکر و اذکار، سوگ ماتم اور گلیاں بازار امام بارگاہیں عُزاداروں سے بھری رہتیں لیکن اب وہ جگہیں ویران پڑی ہیں۔ انگریزوں نے بعض امام بارگاہوں کو بھی تڑوانا شروع کر دیا تھا اور جہاں لوگوں کا شدید احتجاج ہوا وہ امام بارگاہیں بچ رہیں۔ البتہ لوگوں کے عقائد نہیں بدلے، بھوت پریت اور آسیب وغیرہ پر پہلے بھی وہ یقین رکھتے اور زوال کے بعد بھی۔ حویلیوں کے اجڑنے اور ویران ہونے کے بعد تو لوگ کچھ زیادہ ہی ان چیزوں میں اُلجھے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حُسین آبدار عرف میاں جان عرف بابا کے نزدیک لکھنؤ باغوں کا شہر بھی ہے اور آسیوں کا بھی۔ اُن کے نزدیک لکھنؤ میں اب جتنی ویران حویلیاں اور کوٹھیاں ہیں وہ سب کی سب آسیب زدہ ہیں۔ بالخصوص ناول میں ایسے قصے کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ جو دلہن کی موت والا قصہ ہے۔ یہ دلہن سلطانِ عالم کے "طاؤس چمن" کے داروغہ نبی بخش کی بھتیجی اور علی بخش کی بیٹی ہے جو شادی کے پہلے ہی دن آسیبی صورت حال میں انتقال کر جاتی ہے۔ اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ کیجیے:

"۔۔۔قلّاش ہو گئے۔ حویلی کا جو حصہ گرا دوبارہ اس کے بننے کی نوبت نہ آئی اور جب کوڑی پاس نہ رہی تو دماغ پر اثر ہو گیا اور بیوی بھی دیوانی ہو گئیں اور مر جانے

والی دلہن علی بخش کی اکلوتی بیٹی، اس پر دورے پڑنے لگے۔ حویلی کے باہر خبر پھیلی کہ علی بخش نے جس زمین پر حویلی بنوائی ہے اس کے درختوں پر بڑی بڑی بلیوں کے بھیس میں چڑیلیں رہتی تھیں۔ علی بخش نے پیڑ کٹوا کر اور حویلی وہاں بنوا کر اچھا نہیں کیا۔ حویلی بننے کے بعد وہی بلیلاں حویلی میں آکر رہنے لگیں۔ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ ناپاک پیسے سے بنوائی ہوئی حویلی علی بخش کو راس نہ آئی۔"(7)

یہ واقعہ محض ایک شخص یا خاندان کے زوال کا واقعہ نہیں بلکہ اس سے معاشرتی اور ثقافتی سطح پر کئی پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ ہمیں جھنجھوڑتا ہے کہ معاشی زوال کس طرح انسان کی ذہنی و جسمانی صحت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ علی بخش اور ان کے اہلِ خانہ کی نفسیاتی و اعصابی شکست اس حقیقت کی ترجمان ہے کہ معاشی طور پر بدحالی، معاشرے میں وقار کے ساتھ ساتھ گھریلو سکون بھی برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ مذکورہ بالا اقتباس میں معاشرتی سطح پر موجود توہم پرستی اور ماورائی تصورات کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ زمین اور مکان سے منسوب "چڑیلوں" کی کہانی، یعنی چُڑیلوں کا بلیوں کا روپ دھارنا، اور حرام مال کی نحوست دراصل اس بات کی علامت ہیں کہ انسان آج بھی جادو، آسیب اور تقدیر جیسے تصورات پر یقین رکھتا ہے اور زندگی میں پیش آنے والے معاملات کو انھی کا جواز سمجھتا ہے۔

یہاں نوابانِ اودھ کے بنوائے گئے باغ جو طرح طرح کی آرائشوں سے مزیّن تھے۔ ہر طرح کے پودے، پھل دار اور پھول دار پیڑ، کیاریاں، باڑوں اور کلیوں کے خوب صورت پھاٹک، اُن میں خوب صورت متعدد اقسام کے پرندے، غرض مکمل شاہانہ جاہ و جلال تھا جو لکھنوی تہذیب کا مرقّع تھا، اب وہ باغات ویران پڑے تھے۔ ناول میں بالخصوص جن اُجڑے باغات کا ذکر ملتا ہے اُن میں "وزیر باغ" جو مہدی گنج اور درگاہ والے راستے پر تعمیر کیا گیا تھا اور دوسرا منشی فضلِ حسین کی کربلا کے سامنے والا "عیش باغ" ہے۔ جسے نواب آصف الدولہ نے بنوایا تھا۔ لیکن اب یہ ویران پڑے ہیں۔ کہانی کا راوی بتاتا ہے:

"باتیں کرتے ہوئے کچھ ہی دیر بعد ہم عیش باغ پہنچ گئے۔ آصف الدولہ کے بنوائے ہوئے اس باغ میں کبھی کسی نے مجھے بتایا تھا، چاروں طرف بہت اونچے اور خوشنما پھاٹک ہوا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ باغ اُن پھاٹکوں کے بغیر تھا اور اس کے اطراف کھینچی ہوئی دیواریں بہت سی جگہوں پر ڈھے گئی تھیں۔"(8)

آصف الدولہ کے بنوائے ہوئے "عیش باغ" کا ذکر محض ایک اُجڑے ہوئے باغ کا ذکر نہیں بلکہ یہ اُجڑا ہوا باغ لکھنؤ کے اُس تہذیبی ورثے کی نمائندگی کرتا ہے جو کبھی اپنی شاندار عمارتوں، باغوں اور طرزِ تعمیر کی وجہ سے مشہور تھا۔ یہ

باغ اپنی اصل صورت میں نہیں رہا۔ پھاٹکوں کا غائب ہونا اور دیواروں کا گر جانا محض تعمیراتی بگاڑ نہیں بلکہ اس بات کی علامت ہے کہ تہذیب اپنا دم توڑ چکی ہے اور ماضی کا حسن و جمال اور عزت و آبرو، زوال میں ہے۔ بیان کا اسلوب ایک طرح کی ناسٹلجیا (Nostalgia) کو جنم دیتا ہے۔

" کبھی کسی نے بتایا تھا" جیسا جملہ اس احساس کو ابھارتا ہے کہ کہانی کے راوی شاہین شہزاد کا براہِ راست تجربہ نہیں بلکہ ماضی کی یادیں اور سنی سنائی باتیں ہی اس کے ذہن میں باغ کی اصل شان پیدا کرتی ہیں۔ اس سے ماضی کے مقابل حال کی خراب صورت اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ یوں قاری کے ذہن میں ایک نفسیاتی خلا پیدا ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا اقتباس اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ ادب محض قصہ گوئی یا داستان گوئی نہیں بلکہ ایک تاریخی اور تہذیبی دستاویز ہے۔ "عیش باغ" کے زوال کا ذکر لکھنوی تہذیب کے بکھرتے اُجڑتے ورثے کا نشان ہے اور یہ ناول "پری ناز اور پرندے" میں اس بیانیے کو آگے بڑھاتا ہے کہ 1857ء کے بعد لکھنؤ کی رونقیں اور محفلیں محض یادگار رہ گئیں اور ان کی جگہ اجاڑپن نے لے لی۔

لکھنؤ کی تہذیب میں پردہ داری ایک نہایت اہم اور نمایاں خصوصیت رہی ہے۔ اس تہذیب میں اگر ایک طرف نزاکت، لطافت، تکلف، وضع داری اور شائستگی تھی تو دوسری طرف پردہ داری کو بھی اہمیت حاصل رہی ہے۔ شریف اور متوسط طبقے کے گھرانوں میں پردہ داری عزت اور آبرو کی علامت تھی۔ خواتین زیادہ گھر کے اندرون جسے "زنان خانہ" کہا جاتا تھا، تک محدود رہتی تھیں۔ گھر سے باہر جانے کی ضرورت پیش آتی تو برقع یا کم از کم گھونگٹ کا استعمال لازمی تھا۔ یہ پردہ داری صرف چہرے یا جسمانی حد تک نہ تھی بلکہ زبان، گفتگو، اور نشست و برخاست میں بھی پردہ اور لحاظ واضح تھا۔ حتیٰ کہ محافل و مجالس میں بھی خواتین کے لیے پردے کا انتظام کیا جاتا اور انھیں الگ بٹھایا جاتا تھا۔ مہمان داری یا ملاقات کے وقت بھی پردہ ملحوظِ خاطر رہتا تھا۔ مثلاً مرد مہمان کے سامنے گھر کی خواتین بالکل نہ آتیں بلکہ اُن کے لیے پردے کی اوٹ میں ضیافت وغیرہ کا اسباب بھیج دیا جاتا تھا "پری ناز اور پرندے" میں پردہ داری کے متعلق ایسی ہی صورت حال دکھائی دیتی ہے اگرچہ لکھنوی تہذیب متعدد حوالوں سے رُو بہ زوال ہو چکی تھی تاہم بعض تہذیبی پہلو ابھی تک برقرار تھے جن میں ایک پہلو پردہ داری کا ہے:

> " یہاں سے ہٹ کر ہماری نگاہ کارنس کے اوپر لگی ہوئی دو بڑی تصویروں پر گئی اور ہم انھیں پوری طرح دیکھ بھی نہ پائے تھے کہ کمرے کے پہلو والے دروازے سے کھنکھارنے کی آواز آئی اور اس کے ساتھ ایک خاتون ایک سیاہ عبا میں خود کو لپیٹے ہوئے کمرے میں داخل ہوئیں۔ اس لبادے نے ان کے پورے جسم کو چھپا رکھا تھا، صرف ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔"(9)

لکھنوی تہذیب کے مشاغل صرف گزر اوقات ہی نہ تھے بلکہ اُن میں بھی شائستگی اور فنِ لطافت کا عکس دکھائی دیتا تھا۔ محفلِ سخن، محفلِ رقص، محفلِ موسیقی منعقد کی جاتی تھیں۔ نوابوں کے پسندیدہ کھیل شطرنج اور چوسر ہوتے تھے تو عوام پتنگ بازی کے خاص شوقین؛ بلکہ پتنگ بازی لکھنؤ کا مشہور کھیل سمجھا جاتا تھا۔ میلے، تہوار، عید برات، دیوالی سب دھوم دھام سے مناتے تھے۔ 1857ء کے بعد وہ دھوم دھام تو نہ رہی البتہ عوام کے پسندیدہ کھیل اور چھوٹے چھوٹے میلے ٹھیلے اور تہوار وغیرہ منائے جاتے رہے۔ "پری ناز اور پرندے" میں پرندوں کو خاص موضوع بنایا گیا ہے۔ جو ایک طرح سے لکھنوی تہذیب ہی کی نمائندگی کرتا ہے۔ نوابانِ اودھ پرندے پالنے کے خاصے شوقین تھے۔ اُن کی دیکھ بھال اور خدمت پر سینکڑوں نوکر چاکر اور مہنگی اور قیمتی خوراک کا بندوبست کرتے تھے۔ سلطانِ عالم نواب واجد علی شاہ نے اپنے باغ میں "طاؤس چمن" کے نام سے پرندوں کا الگ باغ بنایا ہوا تھا جس میں بالخصوص چالیس بولنے والی پہاڑی مینائیں رکھی گئیں تھیں اور اُن کی خصوصی دیکھ بھال کے لیے ماہر ملازم رکھے گئے تھے۔ خاتون سونیا عارف لکھتی ہیں:

> "ناول "پری ناز اور پرندے" لکھنؤ کی روایتی تہذیب کو اپنی مٹھی میں لیے داستانی رنگ کا ایک ایسا قصہ بیان کرتا ہے، جس میں پرندوں کی خوش رنگ دنیا آباد ہے۔۔۔ روایتی تہذیب و تمدن کا اظہارِ بیان، لکھنؤ کے باشندوں کے رکھ رکھاؤ کی جھلکیاں۔۔۔ اس ناول میں کہانی کی کئی جہتیں ہیں۔ بظاہر لکھنؤ کی تہذیب و تمدن، رکھ رکھاؤ، بول چال، بادشاہوں اور اونچے گھرانوں کے شوق، پرندوں سے لگاؤ، انھیں پالنے کی چاہت اور پرندوں کی اقسام اور ان کی خصلتوں کا تذکرہ ہے، لیکن اس کے اندر کئی کہانیاں موجود ہیں۔" (10)

نوابوں کے ساتھ ساتھ دیگر امراء، رؤساء اور شرفاء نے بھی یہ شوق پالا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں عوام بھی پرندوں کے شوق سے پیچھے نہ رہ سکے۔ وہ اپنی حیثیت کے مطابق پرندے پالتے تھے۔ عام لوگوں میں عام چڑیاں اور کبوتر رکھنے اور اُن کی دیکھ بھال کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ حُسین آبدار عرف میاں جان عرف بابا "پری ناز اور پرندے" کا واحد کردار ہے جو ایسی تہذیب کی نمایاں اور حقیقی عکاسی کرتا ہے۔ اُسے پرندوں سے خاص لگاؤ ہے۔ نوجوانی میں جب نوابانِ اودھ کی نوابی قائم تھی وہ ان کے "طاؤس چمن" کی نگہداشت پر تعینات تھا۔ یوں بڑھاپے تک پرندوں سے اُس کا لگاؤ روز بہ روز بڑھتا گیا اور اب وہ اپنی جان سے بھی زیادہ پرندوں سے پیار کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اُسے پرندوں کی تمام اقسام کا علم ہے۔ وہ انھیں مانوس کرنا جانتا ہے۔ وہ اُن کی بولی کو سمجھتا ہے۔

محبت اس ناول کی مرکزی روح ہے۔ محبت پرندوں سے، محبت لکھنؤ کی تہذیب سے، محبت جنگلوں اور قدیم عمارتوں سے، حتیٰ کہ والدین اور اولاد کے درمیان قائم محبت بھی۔ کالے خاں کی اپنی بیٹی فلک آرا سے محبت اسے مینا کی چوری پر

مجبور کرتی ہے، اور یہی واقعہ کہانی کی بنیاد بن جاتا ہے۔ فرش آرا کی محبت اپنی ماں سے ہے، جو وہ طاؤس چمن کی نقل بنا کر ظاہر کرتی ہے۔ اسی طرح فرش آرا اور شاہین شہر زاد کی محبت کہانی کو ایک اور لطیف جہت دیتی ہے۔ یہ محبت آج کے سطحی اور شوریدہ ماحول والی چیخ پکار نہیں، بلکہ تہذیب و رواداری کی پرچھاؤں میں پروان چڑھتی ہے۔ یہاں جذبات کا اظہار نرم و نازک ہے، مگر اس کی تاثیر گہری اور دیرپا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول میں محبت کہانی کا حصہ ہی نہیں بلکہ اس کی روح بن کر ہر صفحے پر سانس لیتی ہے۔

انیس اشفاق کا ناول "پری ناز اور پرندے" محض ایک کہانی نہیں بلکہ تہذیبی، تاریخی اور جذباتی شعور کی دلکش پیشکش ہے۔ اس ناول میں لکھنوی تہذیب کے رکھ رکھاؤ اور شہری زندگی کی جھلکیاں اس خوبی سے سمائی ہیں کہ قاری خود کو اس فضا کا حصہ محسوس کرتا ہے۔ ناول کی دنیا میں پرندے صرف علامت نہیں بلکہ زندگی کی حرارت اور خوب صورتی کے استعارے ہیں۔ پرندوں کو پالنے والے شائقین، ان کی دیکھ بھال کرنے والے افراد اور ان کی حفاظت میں جینے والی شخصیتیں سب مل کر ایک گم گشتہ عہد کی بازیافت کا سامان کرتے ہیں۔ یوں ایک دلکش اور مسحور کن ماحول قاری پر طاری ہو جاتا ہے۔ کہانی کئی جہتوں میں آگے بڑھتی ہے۔ کہیں لکھنؤ کے رہن سہن اور زبان و بیان کی جھلک ملتی ہے، کہیں بادشاہوں اور رئیسوں کے شوق اور پرندوں سے لگاؤ کی تصویریں بنتی ہیں، تو کہیں محبت کے لطیف اور انوکھے اظہار قاری کے دل کو چھو جاتے ہیں۔ شاہین شہر زاد اور فرش آرا کی باہمی گفتگو بھی اسی تہذیبی شائستگی کو اجاگر کرتی ہے جو لکھنو کی پہچان ہے۔ انیس اشفاق نے مشاہدے کی گہرائی اور بیان کی تازگی سے اس ناول کو ایک ایسا تخلیقی شاہکار بنایا ہے جس میں تہذیبی شعور، تاریخی حوالہ اور جذباتی رچاؤ ایک دوسرے میں گھل مل کر ایک دلکش اور سحر انگیز فضا قائم کرتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ یاسمین حمید، پس ورق: پری ناز اور پرندے، انیس اشفاق، بک کارنر، جہلم، 2024ء

2۔ عشرت ظہیر، عظمت رفتہ اور محبتوں کا قصہ: پری ناز اور پرندے، ویب سائیٹ: "ادبی میراث"، 14 جنوری 2022ء، (www.adbimiras.com)

3۔ یاسمین حمید، پس ورق: پری ناز اور پرندے، 2024ء

4۔ انیس اشفاق، پری ناز اور پرندے، بک کارنر، جہلم، ص 81

5۔ ایضاً، ص150

6۔ ایضاً، ص189

7۔ ایضاً، ص147

8۔ ایضاً، ص131

9۔ ایضاً، ص156

10۔سونیا عارف، انیس اشفاق کا ناول : پری ناز اور پرندے، ویب سائیٹ: "ہم سب"، 26 ستمبر 2022ء، (www.humsub.com.pk)

References in Roman Script:

1. Yasmeen Hameed, Back Flap: Pari Naz Aur Parinday, Anees Ashfaq, Book Corner, Jehlum, 2024
2. Ishrat Zaheer, Azmat-e-Rafta Aur Muhabbaton Ka Qissa: Pari Naz Aur Parinday, January 14, 2022, (www.adbimiras.com)
3. Yasmeen Hamee, Back Flap, Pari Naz Aur Parinday, 2024
4. Anees Ashfaq, Pari Naz Aur Parinday, Book Corner, Jehlum, P. 81
5. Ibid., P. 150
6. Ibid., P. 189
7. Ibid., P. 147
8. Ibid., P. 131
9. Ibid., P. 156
10. Sonia Arif, Anees Ashfaq Ka Naovel: Pari Naz Aur Parinday, September 26, 2022, (www.humsub.com.pk)